

حضرت غفرانمآب مولانا سید دلدار علی اور شیعہ سماج کی تشکیل

تحریر: مبلغ اعظم حجۃ الاسلام مولانا سید سعید اختر رضوی صاحب قبلہ گوپالپوری طاب ثراہ

اقتباس : فاضل نبیل چودھری سبط محمد نقوی صاحب

مطابق عمل پیرا ہو سکتے تھے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب کچھ غفرانمآب علیہ الرحمۃ کی جدوجہد اور رہنمائی کا نتیجہ تھا۔ لیکن اگر حکمران یا ان کے نائب السلطنت سرفراز الدولہ حسن رضا خان کی سرپرستی اور حمایت حاصل نہ ہوتی تو جو کچھ ہوا اس کا عشر عشر بھی ممکن نہیں تھا۔

سرفراز الدولہ نے غفرانمآب کے سفر عراق و ایران کو ممکن بنایا۔ غفرانمآب ۱۱۹۳ھ ۱۷۷۹ء میں عراق گئے اور ۱۱۹۴ھ ۱۸۰۰ء میں واپس آئے۔ چونکہ عراق جانے اور ہندوستان واپس آنے کی تاریخ نہیں معلوم، اس لئے اگر ہم اوائل ۱۱۹۳ھ میں روانگی اور اواخر ۱۱۹۴ھ میں واپسی فرض کر لیں اور لکھنؤ سے کراچی اور وہاں سے بصرہ ہوتے ہوئے عراق پہنچے اور وہاں سے مشہد پھر وہاں سے براہ ہرات و کابل درہ خیبر سے گذر کر دہلی ہوتے ہوئے لکھنؤ تک کی واپسی کا دورانیہ چھ مہینہ بھی فرض کریں تو تحصیل کی مدت ڈیڑھ سال رہ جاتی ہے بادی النظر میں یہ مدت بہت کم معلوم ہوتی ہے جیسا کہ J.R. ICOLE نے اپنی کتاب میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ غفرانمآب نے ہندوستان ہی میں معقولات و منقولات پر کامل عبور بلکہ استادانہ مہارت حاصل کر لی تھی

یہ امتیاز مرحوم آصف الدولہ کو حاصل ہے کہ ان کے عہد معدلت مہد میں (۱۱۸۸ھ ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۷ء ۱۷۹۷ء) اودھ، بلکہ شمالی ہند میں شیعہ سماج کی بنیاد پڑی یعنی تقیہ کا عمل دخل ختم ہوا شیعہ عقائد کی بلا خوف لومۃ لائم ترویج ہوئی۔ عزاداری کو فروغ دیا گیا شیعہ احکام و مناسک پر علی الاعلان عمل شروع ہوا شمالی ہند میں شیعوں کی نماز جمعہ قائم ہوئی شیعہ اصول و فروع کی تعلیم کے لئے مدارس قائم ہوئے۔ تشیع میں تصوف کی آمیزش ختم ہوئی اور اوہام پرستی کا بڑی حد تک قلع و قمع کیا گیا۔ بلا خوف تردید یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ تشیع کی جو خدمت شاہ اسلمیل صفوی نے ایران اور عراق میں انجام دی وہ آصف الدولہ نے شمالی ہندوستان میں انجام دی اور دونوں حکمرانوں کے جانشینوں نے ان کے قائم کردہ معاشرہ کو مزید استحکام بخشا مجلسوں اور جلوس ہائے عزاکو ہر طبقہ میں رائج کیا گیا حکمرانوں کی دیکھا دیکھی ہندو اور سنی امراء دربارن نے بھی امام باڑے اور کربلا میں تعمیر کیں۔ اس طرح ہندوستان کی طویل تاریخ میں پہلی مرتبہ شیعوں کا ایک واضح تنخص قائم ہوا اور ایک ایسا سماج وجود میں آیا جس میں شیعہ عوام اور خواص تقیہ کے بندھن سے آزاد ہو کر زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے اصول و نظریات کے

امامت جمعہ کا اہل قرار دیا باب پنجم میں نواب آصف الدولہ سے التماس کیا کہ نماز جمعہ ان میں سے کسی ایک کی امامت میں ضرور قائم کریں۔ اخباریت کے عروج کے زمانے میں نماز جمعہ کا قیام غیر معمولی شجاعت و بسالت کا متقاضی تھا۔ اسی درمیان میں مشہور صوفی سید علی اکبر مودودی چشتی نے (جو سرفراز الدولہ کے مرشد تھے) بھی اسکی زبردست تائید کی اور اس طرح ۲۷ رجب ۱۲۹۰ھ (۲۶ مئی ۱۸۷۳ء) کو لکھنؤ میں مولانا سید دلدار علی (غفرانمآب) کی امامت میں نماز جمعہ قائم ہوئی۔

نماز جمعہ کے ذریعہ ارشاد و ہدایت کا ایک زبردست پلیٹ فارم غفرانمآب کے ہاتھ میں آیا۔ اور آپ نے اپنے مواعظ حسنہ سے شیعہ قوم کے عقائد و اعمال کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالنا شروع کیا۔ جب تصوف کی مخالفت شروع کی تو طبعاً سید علی اکبر مودودی سے اختلاف ہوا جسکی وجہ سے نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں عجیب کشا کش میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن انہوں نے شریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا وعظ و ارشاد کے نتیجہ میں لوگوں کے عادات و اطوار میں اصلاح ہوئی۔ خود آصف الدولہ نے بھنگ نوشی ترک کردی۔ اوہام پرستی اور انواع و اقسام کے توہمات سے شیعہ قوم کو آزادی دلانے کی کوشش کی۔ شیخ سدّ و کا بکرا، سید سالار غازی کا جھنڈا، بابا گنج شکر کا کونڈا، شاہ مدار کی کندوری، شیخ فرید کی شیرینی، عرس اور قوالیاں ان سب چیزوں کی لت چھڑائی۔ قبروں پر چادریں، چمکھے اور جھنڈے چھڑانے کا سلسلہ بند کرایا۔

عراق و ایران کے سفر کا ان پر جو اثر پڑا وہ یہ تھا کہ وہ جاتے وقت اخباریت کے حامی تھے لیکن عراق پہنچ کر دیکھا کہ وحید بہبہانی کی مسلسل علمی جدوجہد کے نتیجہ میں اصولی مسلک غالب آ گیا تھا۔ غفرانمآب نے شیخ جعفر کاشف الغطاء سید علی طباطبائی (صاحب ریاض المسائل) اور سید مہدی شہرستانی اور سید مہدی بحر العلوم جیسے اساطین علم و اجتہاد سے استفادہ کیا ان سب سے اصولی و اخباری نزاع پر مباحثہ کیا، یہاں تک کہ خود وحید بہبہانی سے کسب فیض کیا اور کربلا کے کتب خانوں میں اس قضیہ سے متعلق جتنی کتابیں ملیں ان سب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور اس علمی تنقیح و تہذیب کے نتیجہ میں اس امر کو تسلیم کر لیا کہ اصولی مسلک ہی صحیح و صواب ہے۔ واپسی کے سفر میں مشہد مقدس میں سید مہدی اصفہانی نے ان کو اجازہ اجتہاد دیا اور ہندوستان آنے کے بعد جب غفرانمآب نے اپنی مبسوط کتاب ”اساس الاصول“ اپنے اساتذہ کو بھیجی تو سید مہدی شہرستانی، سید مہدی بحر العلوم اور سید علی طباطبائی نے بھی گرانقدر اجازے مرحمت فرمائے۔ غفرانمآب کی واپسی ہندوستان کے تقریباً ساڑھے پانچ سال بعد ملا محمد علی بادشاہ جیسے عالم عارف نے نواب سرفراز الدولہ کے لئے ایک مختصر رسالہ لکھا جس میں نماز جمعہ کی اہمیت ظاہر کی اور غفرانمآب کی زبردست مدح و ثنا کرتے ہوئے اور ان کی فرشتہ سیرتی کا اعلان کر کے مجتہدین کربلائے معلیٰ اور مشہد مقدس سے اجازات جلیلہ حاصل کرنے اور درجہ اجتہاد پر فائز ہونے کا اقرار کیا اور آنجناب نیران کے دو شاگردوں، سید مرتضیٰ اور مرزا محمد خلیل زائر کو

سرفراز الدولہ اگر شہنشاہ اکبر کی طرف نوشتہ خواند سے بے بہرہ تھے لیکن بہت ہی علم دوست اور حامی مذہب تھے۔ انہوں نے فیض آباد اور فرخ آباد میں علمی درسگاہیں قائم کیں۔۔۔ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی کتابیں ایک وقیع کتب خانہ قائم کیا۔ اکبری دروازہ کے پاس ایک مسجد اور امام باڑہ تعمیر کیا اور آصفی امام باڑہ کے قریب ایک اور امام باڑہ بنوایا۔ غفرانمآبؒ کے حلقہ درس سے ایسے ایسے جہاڑہ فن نگار جتنے نام آج تک دلوں کو نور اور ایمان کو استقامت بخشتے ہیں۔ مولانا سید احمد علی محمد آبادی مفتی سید محمد قلی کنٹوری، مولانا سید یاد علی مفسر، مولانا حکیم مرزا اسماعیل (مبلغ دکن)۔ مولانا سید عبد العلی دیو کٹھیاوی، مولانا سید محمد عبادت امر و ہوی اور ان جیسے دیگر حضرات نے شمالی ہند بلکہ دکن میں بھی تشیع کے استحکام اور فروغ میں کارہائے نمایاں انجام دئے۔ مخالفین کے حملوں کے جوابات لکھے۔ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ اگر آصف الدولہ کی کوششوں کے نتیجے میں شیعوں کو تقیہ سے نجات نہ ملتی تو تحفۂ اثنا عشریہ کے مختلف ابواب اور مباحث کے وہ بیس جوابات جو اودھ میں لکھے گئے (جن میں سے بیشتر غفرانمآبؒ، سلطان العلماء رضوانمآبؒ، مفتی محمد قلی اور میر سید حامد حسین کے رشحات قلم تھے) وہ نہ لکھے جا سکتے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تحفۂ کی اشاعت ۱۲۰۴ھ کے دو سال کے اندر ۱۲۰۶ھ میں شہید رابع حکیم مرزا محمد کامل نے اس کے جواب میں نزہۂ اثنا عشریہ کی جلدیں لکھنی شروع کیں تو ان کو کس طرح زہر دیکر شہید کر دیا گیا۔ آصف الدولہ نے غفرانمآبؒ کی تحریک پر کربلا میں نہر بنوائی۔ اس

نہر کا ذکر دوبارہ امجد علی شاہ (۱۲۵۸ھ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۲ء) کے دور میں ملتا ہے کہ بادشاہ نے سید العلماء سید حسین کی فرمائش پر ”مصارف نہر آصفی“ کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپیہ بھیجوائے۔ اس نہر کا ذکر مفتی محمد عباس کی ظل ممدود، علامہ ہندی، کی ”ورثۃ الانبیاء“ مرتضیٰ حسین فاضل کی مطلع انوار اور چودھری سبط محمد نقوی کی امجد علی شاہ میں آیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کے بیان سے پوری تصویر سامنے نہیں آتی اور راقم الحروف بھی عرصہ تک نہ سمجھ سکا کہ ان دونوں بیانات کو کیونکر باہم منطبق کیا جائے۔ یہ مشکل علمائے نجف کی تحریروں سے حل ہوئی۔ شیخ محمد رضا المظفر نے جواہر الکلام (طبع جدید) کے دیباچہ میں اور آغاے بزرگ تہرانی نے الکرام البرہہ میں جو افادہ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نہر آصفی المسیب سے شروع ہو کر ۱۲۰۸ھ میں نجف تک پہنچی۔ کچھ عرصہ بعد پوری نہر ریت سے بھر گئی سید العلماء نے امجد علی شاہ سے کہہ کر ڈیڑھ لاکھ روپیہ شیخ محمد حسن (صاحب جواہر الکلام) کے پاس بھیجوا یا کہ اس نہر کو صاف کرا کے پھر سے کھلوا دیں، کام شروع ہوا اور قریب بہ اختتام پہنچا تھا کہ ۱۲۶۶ھ میں صاحب جواہر الکلام کا انتقال ہو گیا اور کام رک گیا۔ صاحب جواہر کے ایک شاگرد سید اسد اللہ اصفہانی نے کچھ عرصہ کے بعد اس کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا انہوں نے اصفہان سے روپیہ اور انجینئر بھیجے۔ چھ سال کی محنت کے بعد ۱۲۸۸ھ میں نہر کا پانی نجف تک پہنچ گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ نہر بھی بالو اور ریتی سے بھر گئی۔ اور اب صرف اسکی داستان باقی رہ گئی ہے۔

کسی نے اصل نہر آصفی کی تاریخ ”صدقہ جاریہ“ سے نکالی تھی لیکن اس میں فنی غلطی ہے کیونکہ جب تک ہائے مدور (۶) کو (ت) نہ فرض کیا جائے ۱۲۰۸ کا عدد نہیں نکلتا بہر حال آصف الدولہ کی اس دریا دلی کو سلاطین اودھ نے جاری رکھا اور نجف و کربلا وغیرہ کے مشاہدہ مقدسہ کی تعمیر یا گنبد پر سونا چڑھانے یا مرمت کے لئے رقمیں دی جاتی رہیں۔ اور اس طرح شمالی ہند کے شیعہ معاشرہ کا قریبی تعلق ایران و عراق سے شیعہ سماج سے قائم ہو گیا جو محمد اللہ آج تک جاری و ساری ہے۔

غفران مآبؑ

سید قائم مہدی نقوی تذبذب نگروری

حق کے ساتھی حق کے ہم آواز تھے غفران مآبؑ
عالمانِ دہر میں ممتاز تھے غفران مآبؑ

عالم تاریخ ساز و صاحب صد انقلاب
مذہبِ آلِ محمدؐ ہند میں پھیلا دیا